امام الغزالی کے تعلیمی افکار : معلم کی تدریسی خصوصیات اور جدید تعلیمی نظام سے مطابقت

ڈاکٹر سیف الدین احمد

شعبۂ تاریخ , یونیورسٹی اف دلی

Abstract: In the Islamic history, many scholars have made significant contributions to various fields of knowledge through their innovative ideas and deep intellectual insights. These contributions have not only shaped the intellectual growth of the Islamic world but have also left a lasting impact on Western scholarly traditions. Among these remarkable figures, Abu Hamid Muhammad al-Ghazali, commonly known as Imam al-Ghazali, stands out as a key thinker whose legacy continues to influence modern Islamic thought.

This paper aims to explore al-Ghazali's views on the curriculum of Islamic education by analysing the evolution of educational frameworks that preceded his contributions. Imam al-Ghazali's views on education covers a wide range of aspects, including the purpose of education, the design of curricula, teaching methods, the role of educators, the responsibilities of learners, and the relevance of his ideas to contemporary educational needs. Central to his educational philosophy is the emphasis on religious knowledge, which he regarded as vital for intellectual growth and spiritual enlightenment. Al-Ghazali believed that true knowledge arises from the integration of reason and intuition. For him, the ultimate aim of education was to achieve human excellence by drawing closer to God and fostering moral and spiritual refinement.

Keywords: Al-Ghazali, curriculum, Islamic education

عالم اسلام میں ایسے بے شمار علماء پیدا ہوئے ہیں جن کی تحقیقی خیالات اور گہرے علمی بصیرت نے مختلف علمی میدانوں میں نمایاں کردارادا کیا ہے۔ان کے علمی کارنامے نہ صرف اسلامی دنیا کی علمی ترقی کے لیے اہم ثابت ہوئے بلکہ مغربی علمی روایت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ان ممتاز علماء میں ابو حامد محمد الغزالی، جنہیں امام الغزالی کے نام سے جانا جاتا ہے،ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں جن کی علمی میراث آج بھی اسلامی مفکرین کے نظریات پر گہرا اثر ڈال رہی ہے۔

تعلیم کے حوالے سے امام الغزالی کے افکار کئی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، جن میں تعلیمی مقاصد، نصاب کی تشکیل، تدریسی طریقے، اساتذہ کا کردار، طلبہ کی ذمہ داریاں، اور ان کے تصورات کی جدید تعلیمی تقاضوں کے ساتھ مطابقت شامل ہیں۔الغزالی کی تعلیمی فکر کا مرکزی نکتہ دینی علوم پر زور دینا ہے، جنہیں وہ علمی ترقی اور روحانی بصیرت کے لیے ناگزیر سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک حقیقی علم وہی ہے جو عقل اور بصیرت کے امتزاج سے حاصل ہو۔الغزالی کے مطابق تعلیم کا سب سے بڑا مقصد انسانی کمال کو پانا ہے، جس کی معراج خدا کے قریب ہونا اور اخلاقی و روحانی ترقی کے ذریعے اپنی ذات کو سنوارنا ہے۔

جان ایل ایسپوزیٹو نے ابو حامد الغزالی کو ایک ممتاز مسلم متکلم، فقیہ اور قرون وسطیٰ کے صوفی کے طور پر پیش کیا ہے۔اسلامی علمی روایت کی تاریخ میں چند ہی شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے الغزالی کی طرح گہرا اور ہمہ جہت اثر چھوڑا ہو۔صرف 52 برس کی عمر میں الغزالی نے اپنی علمی ذہانت اور اسلامی علوم پر گہرے تنقیدی غور وفکر کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم علماء کے درمیان بے پناہ عزت اور تحسین حاصل کی ۔

الغزالی کی علمی خدمات کا دائرہ ان کی وسیع تصنیفی میراث سے بخوبی عیاں ہے۔انہوں نے مختلف علوم میں بے شمار اہم کتابیں تحریر کیں۔سید محمد بن محمد الحسینی نے الغزالی کی تصانیف کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب وار جمع کیا ہے، جن کی تعداد 70 کے قریب بتائی جاتی ہے)اساری، 2006)۔

الغزالی کے اسلامی تعلیمات پر نظریات

الغزالی کے تعلیمی نظریات کو پانچ اہم پہلوؤں کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے : تعلیم کے مقاصد، نصاب کی ترتیب تدریسی طریقے، اور اساتذہ و طلبہ کے اخلاقی فرائض۔یہ تمام پہلوان کے تعلیمی فلسفے کی گہری تفہیم فراہم کرتے ہیں۔ذیل میں ان پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، جو کلاسیکی کتب اور الغزالی کے افکار پر معاصر مطالعوں سے اخذ کی گئی ہیں۔

تعلیمی مقاصد

تعلیمی مقاصد کی تشکیل دراصل تعلیم کی غایت اور اس کی روح سے متعلق ایک فلسفیانہ نقطۂ نظر کو ظاہر کرتی ہے۔یہ مقاصد تعلیمی عمل کے دیگر اہم پہلوؤں، جیسے اہداف، نصاب، تدریسی طریقے، اور اساتذہ وطلبہ کے کردار کی تشکیل کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔الغزالی کے تعلیمی فلسفے کے تجزیے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کے دو بنیادی مقاصد ہیں : پہلا مقصد انسانی کمال کا حصول ہے جو انسان کو خدا سے قریب کرتا ہے، اور دوسرا مقصد ایسی انسانی برتری کا حصول ہے جو دنیاوی خوشحالی اور اخروی کامیابی کو یقینی بنائے۔

الغزالی کا تعلیمی نقطۂ نظر دینی اور روحانی اصولوں پر مبنی ہے، جو اسلامی تعلیم کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ ان کی سوچ تصوف کے فلسفے کے قریب ہے، جو تعلیم کے روحانی اور اخلاقی پہلوؤں پر زور دیتی ہے۔ الغزالی کے مطابق، تعلیم کا حتمی مقصد دنیاوی اور روحانی دونوں میدانوں میں انسانی کمال کا حصول ہے۔ ان کے نزدیک یہ کمال صرف اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب انسان اخلاقی فضائل اور کردار کی بلندی کو پروان چڑھائے جو علم کے ذریعے ممکن ہے۔ ایسا علم انسان کو خدا کے قریب لے جاتا ہے، دنیا میں عزت کا سبب بنتا ہے، اور آخرت میں دائمی خوشی عطا کرتا ہے (الغزالی، 1969)۔

الغزالی نے تعلیم کے مقاصد کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے: طویل مدتی اور قلیل مدتی مقاصد۔ طویل مدتی مقصد یہ ہے کہ انسان کو خدا کے قریب لایا جائے اور اسے اپنے خالق کو پہچاننے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی طرف رہنمائی کی جائے۔ قلیل مدتی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے پیشہ ورانہ امکانات کو ترقی دے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنا کردار ادا کرے۔ یہ دوہری مقاصد الغزالی کے جامع تعلیمی وژن کی عکاسی کرتے ہیں، جس میں روحانی ترقی کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ دنیاوی ضروریات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

نصاب

امام الغزالی کا تصورِ نصاب ان کے علم کے فہم سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے علم کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے:

قابلِ مذمت علوم: یہ وہ علوم ہیں جو نہ دنیا میں فائدہ دیتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ ان میں جادو گری، نجوم اور قسمت کا حال بتانے جیسے علوم شامل ہیں۔ الغزالی نے ان علوم کو ناپسندیدہ قرار دیا کیونکہ یہ اکثر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، نہ صرف سیکھنے والے کے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی۔ مثال کے طور پر، جادو گری لوگوں میں اختلاف پیدا کر سکتی ہے، دشمنی کو ہوا دے سکتی ہے اور نقصان و شرارت کو جنم دے سکتی ہے۔ اسی طرح، الغزالی نے نجوم کو دو اقسام میں تقسیم کیا: ایک وہ جو حسابات (حساب) پر مبنی ہے، اور دوسری وہ جو قیاسی پیشن گوئیوں (استدلالی) پر مبنی ہے، جسے انہوں نے بے بنیاد اور گمراہ کن قرار دیا۔

قابلِ تعریف علوم: یہ وہ علوم ہیں جو عبادات اور اخلاقیات سے قریب ہیں۔ ان میں وہ علم شامل ہے جو انسان کو گناہوں سے پاک کرتا ہے، نیک زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے اور خدا سے قریب ہونے کا راستہ دکھاتا ہے۔ الغزالی۔ نے ان علوم کو مزید دو اقسام میں تقسیم کیا

فرضِ عین: وہ دینی علوم جو ہر مسلمان پر لازمی ہیں، جیسے قرآن کو سمجھنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔

فرضِ کفایہ: وہ علوم جو سماج کی بھلائی کے لیے ضروری ہیں، جیسے طبّی علم جو صحت کے لیے لازم ہے یا حساب جو مالی معاملات، وراثت اور تجارت کے لیے اہم ہے۔ الغزالی نے زور دیا کہ اگر ان علوم کو نظرانداز کیا جائے تو پوری امت گناہگار قرار پائے گی۔

متنازعہ علوم: کچھ علوم، جیسے فلسفہ، ایک حد تک قابلِ قبول ہیں لیکن ان میں گہرائی میں جانا مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ الغزالی کے نزدیک، فلسفے کا حد سے زیادہ مطالعہ شک، اعتقادات میں خلل اور بعض اوقات کفر کی طرف لے جا سکتا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ دینی علوم اور ان کی شاخیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ یہ عقل اور روحانی بصیرت کو پروان چڑھاتی ہیں۔

-اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں الغزالی نے علم کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے

(-ایپیستمولوجی) علم کی نوعیت

(-آنٹولوجی) وجود کی نوعیت

(-ایکسیالوجی) علم کی اہمیت اور مقصد

تدریسی طریقے

الغزالی کا تعلیمی طریقہ کار منظم اور اسلامی اصولوں پر مبنی تھا۔انہوں نے تدریس کے لیے مرحلہ وار حکمت عملی تجویز کی، جس کا آغاز یادداشت اور فہم سے ہوتا ہے، پھر یقین، جواز اور استدلال کی تربیت کے ذریعے علم کو مضبوط کیا جاتا ہے۔یہ طریقہ ان کی صوفیانہ شخصیت کی عکاسی کرتا ہے، جہاں خود پر قابو اور روحانی ترقی مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔الغزالی نے طلبہ کی کردار سازی پر خاص زور دیا۔ان کے نزدیک استاد کا کردار طلبہ کے اخلاق اور فضائل کو سنوارنے میں بنیادی پہلو ہے۔الغزالی کے لیے تعلیم محض ایک پیشہ نہیں بلکہ ایک معزز ذمہ داری تھی، جس کا مقصد انسانی دل کو پاکیزہ بنا کر خدا کی طرف رہنمائی کرنا تھا۔

استاد اور طلبہ کے لیے الغزالی کی رہنمائی درج ذیل ہے :

استاد کو نرمی سے نصیحت کرنی چاہیے اور سخت لہجے سے گریز کرنا چاہیے۔

طلبہ کو بری عادتیں ترک کرنے کے لیے فوری طور پر نہیں بلکہ تدریج کے ساتھ ترغیب دی جانی چاہیے۔

اچھے رویے پر انعام دیا جائے، جبکہ غلطیوں پر صبر اور تحمل کے ساتھ اصلاح کی جائے۔

طلبہ کو برے اثرات اور غلط صحبت سے بچایا جائے۔

کھانے، لباس اور نیند میں میانہ روی کی عادت ڈالی جائے۔

جسمانی سرگرمیوں اور تفریحی کھیلوں کو تعلیمی عمل کا حصہ بنایا جائے۔

الغزالی نے تدریسی طریقوں کو طلبہ کی صلاحیتوں اور ضروریات کے مطابق ڈھالنے پر زور دیا اور انفرادی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

تعلیمی طریقے

الغزالی نے مختلف تعلیمی طریقے متعارف کرائے تاکہ تدریس کو زیادہ مؤثر بنایا جاسکے، جن میں لیکچر کا طریقہ شامل ہیں) طریقہ تلقینیہ :(اس میں استاد علم دینے والا) ملقی (ہوتا ہے، اور طالب علم علم حاصل کرنے والا) متلقی(۔

بحث ومباحثہ کا طریقہ) مخاطبہ :(اس طریقے میں مکالمہ طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال وجواب کا طریقہ :الغزالی نے اچھے سوالات) حسن السؤال (کو گہرے فہم کا ذریعہ سمجھا۔

الغزالی نے نصاب کی تدریس میں اس بات پر زور دیا کہ طلبہ کی فکری صلاحیتوں کو مدنظر رکھا جائے، تعلیم کو ٹھوس سے مجرد موضوعات کی طرف لے جایا جائے،اور تدریس کو تدریجی مراحل میں مکمل کیا جائے۔یہ منظم طریقہ الغزالی کی تعلیم میں توازن قائم کرنے کی سوچ کی عکاسی کرتا ہے، جس میں عقل اور کردار دونوں کی نشوونما کو اہمیت دی گئی ہے۔

معلم کی خصوصیات

امام الغزالی نے استاد کو تعلیم وتربیت کے عمل میں کلیدی حیثیت دی ہے اور طلبہ کے کردار، اخلاق اور علمی استعداد کو سنوارنے میں اس کے کردار کو بنیادی قرار دیا ہے۔الغزالی نے استاد کے لیے چند اہم خصوصیات اور ذمہ داریاں متعین کی ہیں، جن میں شامل ہیں۔

- استاد کو طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھنا چاہیے اور ان کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آنا چاہیے۔
- تدریس خلوص کے ساتھ ہونی چاہیے، جس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو، نہ کہ دنیاوی فائدہ یا شہرت۔
- استاد کو طلبہ کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ تعلیم کا اصل مقصد خدا کے قریب ہونا ہے، نہ کہ دنیاوی مرتبہ یا فخر حاصل کرنا۔
- استاد کو اپنے علم پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی تعلیمات کے برعکس عمل سے گریز کرنا چاہیے ۔

الغزالی کے نزدیک ایک مثالی استاد نہ صرف علمی اور ذہنی طور پر ممتاز ہونا چاہیے بلکہ اخلاقی طور پر بھی بلند اور جسمانی طور پر توانا ہونا چاہیے۔ عقل ودانش استاد کو علم میں مہارت عطا کرتی ہے، جبکہ اخلاقیات اسے طلبہ کے لیے ایک مثالی نمونہ بناتی ہیں۔جسمانی قوت تدریسی، تربیتی اور رہنمائی کے فرائض انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔

استاد کی مخصوص خصوصیات

الغزالی نے عمومی صفات کے ساتھ چند مخصوص خصوصیات بھی بیان کی ہیں، جو ایک استاد میں موجود ہونی چاہییں۔

- شفقت :استاد کو تدریس اور رہنمائی کے عمل میں ہمدردی اور نرمی سے کام لینا چاہیے۔
- ایمانداری اور خلوص :استاد کو مخلص رہنمائی فراہم کرنی چاہیے اور ساتھ ہی اساتذہ کے ساتھ مقابلے اور تنازعات سے گریز کرنا چاہیے۔
- نرمی کا رویہ :استاد کو سختی، طنز یا توہین کے بجائے نرمی اور حکمت کے ساتھ طلبہ کی اصلاح کرنی چاہیے۔
- مثالی کردار :استاد کو ان اقدار پر عمل کرنا چاہیے جن کی وہ تعلیم دیتا ہے،اور دوسرے علوم یا شعبوں پر تنقید سے اجتناب کرنا چاہیے جو اس کی مہارت میں شامل نہیں ہیں۔

- طلبہ کی انفرادی صلاحیتوں کو سمجھنا :استاد کو طلبہ کی مختلف صلاحیتوں، ذہنی سطح اور نفسیاتی خصوصیات کو سمجھنا چاہیے اور ان کے مطابق تعلیم دینی چاہیے۔
- طلبہ کی نشوونما پر توجہ :استاد کو طلبہ کی فطری صلاحیتوں اور عمر کے تقاضوں کے مطابق تدریسی عمل کو ڈھالنا چاہیے۔

اپنی کتاب ایھا الولد میں الغزالی نے استاد کے کردار کو پیغمبر یا خلیفہ کے مشابہ قرار دیا، جو انسانیت کو خدا کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا، ایک استاد کو علمی گہرائی، وسیع نظریہ، اور دینی بصیرت سے آراستہ ہونا چاہیے۔

روحانی رہنما کی خصوصیات

الغزالی نے ایک مرشد)روحانی رہنما (کے لیے بھی مخصوص صفات بیان کی ہیں، جن میں
دنیاوی لذتوں اور مرتبے کی محبت سے اجتناب شامل ہیں ۔

-ایسے علماء کی پیروی کرنا جن کی علمی سلسلہ نسب نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی ہو

-خود کو ریاضت کے ذریعے سنوارنا، مثلاً کھانے میں اعتدال، غیر ضروری باتوں سے گریز، عبادات میں اضافہ صدقہ وخیرات، اور روزے رکھنا۔

-صبر، شکر، توکل، عاجزی، صداقت، وعدہ وفائی، وقار، اور بردباری جیسے اخلاقی اوصاف اپنانا

الغزالی کے نزدیک ایک استاد کو گہرے علمی فہم، بلند اخلاقی کردار، اور پیشہ ورانہ دیانت داری سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ وہ انبیاء کے وارث اور انسانیت کے رہنما کے طور پر اپنی ذمہ داری ادا کر سکے۔

جدید تعلیم میں الغزالی کے افکار کی مطابقت

الغزالی کے تعلیمی افکار، جن میں مقاصد، نصاب، تدریسی طریقے، اور استاد و طلبہ کے کردار شامل ہیں، آج کے تعلیمی نظام کے لیے بھی نہایت موزوں ہیں۔ ان کا طلبہ کی انفرادی خصوصیات کو سمجھنے پر زور جدید نفسیاتی اصولوں کے عین مطابق ہے، جو افراد کی صلاحیتوں، رجحانات، اور رویوں میں تنوع کو تسلیم کرتے ہیں۔ الغزالی کے تدریسی طریقوں کو طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق ڈھالنے کا نظریہ موجودہ تعلیمی نظریات میں ذاتی تدریس کی اہمیت کو تقویت دیتا ہے۔

گریفل (2009) نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ الغزالی کی تعلیمی فلسفہ اساتذہ کی تربیت اور تدریسی عمل پر گہرے اثرات مرتب کر چکا ہے۔ ان کے نظریات نے نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے دور میں بھی تعلیمی نظام کو متاثر کیا) برکی، (1992 ۔

الغزالی نے دینی، علمی، تجرباتی، اور تصوفی علوم کو یکجا کیا، جیسا کہ ان کی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ جامع نظریہ آج بھی جدید تعلیم کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. Ashraf, S. A. (1985). New horizons in Muslim education. London: Hodder & Stoughton.
2. Alavi, S.M. Ziauddin. (1988). Muslim Educational Thought in the Middle Ages. New Delhi: Atlantic Publishers.
3. Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad. (1939). Ihyâ' 'Ulûm al-Dîn. Kairo: Mushthafa al-Babi al-Halabi.
4. Berkey, J. (1992). The Transmission of Knowledge in Medieval Cairo: A Social History of Islamic Education. Princeton: Princeton University Press.
5. Esposito L.J (2002). The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World. Bandung: Mizan.
6. Goldziher, I (1981). Introduction to Islamic Theology and Law, tr. Andras & Ruth Hamori. Princeton: Princeton University Press.
7. Griffel, F. (2009). Al-Ghazali's philosophical theology. Oxford University Press.
8. Whittingham, M. (2007). Al-Ghazali and the Qur'an: one book, many meanings, (Culture and Civilization in the Middle East Series). Routledge, Abingdon 2007.

☆☆☆